# قرآنی تعبیرات اور علم الاعتبار

عثمان احمد*

قرآن مجید اللہ جل شانہ کی لاریب اور معجز کتاب ہے جس کے الفاظ و معانی منزل من اللہ ہیں۔اللہ کے کلام کے معانی کی گہرائی و گیرائی کا احاطہ ناممکن ہے۔امتِ محمدیہ کے اہلِ علم نے اپنے اپنے فن اور ذوق کے مطابق قرآن کے علوم کو اپنی فکری جولانیوں کا مرکز بنایا۔نتیجتاً قرآنی علوم و معارف کا حیرت انگیز خزینہ سامنے آیا۔اصحاب الحدیث نے قرآن کی نبوی تفسیر کا ذخیرہ جمع کیا۔اصحاب التفسیر نے نبوی فرامین کے ساتھ ساتھ اقوالِ صحابہ و تابعین کے ذریعے قرآن کی تشریح و توضیح کے کام کو آگے بڑھایا۔اصحاب الاجتہاد نے قوت استنباط کے ذریعہ سے قرآن سے زندگی کے مسائل کا حل تلاش کیا۔اصحابِ لغت و بلاغت نے قرآن کے فنی و لسانی محاسن کو نمایاں کیا۔اصحابِ کلام نے قرآن کے استدلالی نظام کو مدنظر رکھ کر عقلی بنیادوں پر ابطالِ باطل کیا۔اصحاب تزکیہ و احسان ،جن کا عرفی نام صوفیاء ہے، نے قرآن کے معانی کو اپنے ذوقی و وجدانی پہلوؤں سے منکشف کرنے کی کوشش کی۔صوفیاء نے معانی قرآن کے بیان میں جس علم سے کام لیا اس کو علم الاعتبار کہا جاتا ہے۔

## اعتبار کی لغوی تحقیق

لفظ ''اعتبار'' کا مادہ ''ع ب ر'' ہے۔اعتبار، بابِ افتعال سے ہے۔''العبر'' کے معنی ہیں ایک حالت سے دوسری حالت تک پہنچ جانا۔العبرۃ والاعتبار اس حالت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی دیکھی چیز کی وساطت سے ان دیکھے نتائج تک پہنچا جائے جیسا کہ قرآن میں ہے ﴿ان فی ذالک لعبرۃ﴾اور﴿ فاعتبرو یا اولی الابصار﴾(۱)

ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں:

وفی التنزیل فاعتبروا یا اولی الابصار ای تدبروا وانظروا فیما نزل بقریظۃ و النضیر فقایسوا فعالھم و اتعظوا بالعذاب الذی نزل بھم۔(۲)

''قرآن مجید میں ہے فاعتبروا یا اولی الابصار یعنی تدبر کرو اور غور کرو اس پر جو کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر پر نازل ہوا اور ان کے افعال پر خود کو قیاس کرو اور ان پر نازل ہونے والے عذاب سے نصیحت پکڑو۔''

---

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

## علم الاعتبار کی اصطلاحی تعریف:

علم الاعتبار آیاتِ قرآنیہ کے ان معانی کے بیان کا نام ہے جو مدلولِ آیات نہیں ہوتے اور نہ ہی جن آیات کے تحت بیان کیے جارہے ہوں، ان سے ثابت ہوتے ہیں بلکہ ان کا ثبوت دیگر دلائل شرعیہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان معانی کی آیات سے ذوقی یا مآلی مناسبت کی وجہ سے بطور لطائف واسرار بیان کیے جاتے ہیں۔ گویا کہ قرآن کی ایک نظیر سے دوسری نظیر کا استحضار کیا جاتا ہے۔

اس تعریف کا ماحصل درج ذیل نکات ہیں:

۱۔ علم الاعتبار تفسیر نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ علم الاعتبار مدلولِ آیات ہوتا ہے اور نہ ہی ثابت بالآیات بلکہ کسی مشابہت کی وجہ سے منطبق بالآیات ہوتا ہے اور یہ انطباق بالجزم نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ علم الاعتبار مقصودِ دینی ہوتا ہے اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہوتا ہے۔

## علم الاعتبار کے درست ہونے کی شرائط:

علم الاعتبار کے درست ہونے کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ علم الاعتبار کو تفسیر نہ قرار دیا جائے

۲۔ مدلولِ آیات نہ قرار دیا جائے

۳۔ آیات کے ظاہری معانی کا انکار نہ ہو (۳)

## علم تفسیر اور علم الاعتبار:

علامہ زرقانی علم تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علم يبحث فيه عن احوال الكتاب العزيز من جهة نزوله و سنده وادائه و الفاظه ومعانيه المتعلقة بالفاظ والمتعلقة بالاحكام۔ (۴)

وہ علم جس میں قرآن کریم کی آیات کے اسبابِ نزول، اور اسکی سند، قرآن کو پڑھنے (کے طرق)، قرآن کے الفاظ اور معانی چاہے ان کا تعلق الفاظ سے ہو یا احکام سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

گویا کہ تفسیر کا تعلق قرآن کے اسبابِ نزول، قرآن کے نقل ہونے کے طرق اور ان کی استنادی حیثیت، قرآن کو پڑھنے کا طریقے، قرآن کے معانی جو الفاظ سے متعلق ہوں یعنی لغتاً ثابت ہوں یا وہ معانی جو استنباطاً واجتھاداً ثابت ہوں، سے ہوتا ہے۔

علم الاعتبار کا تعلق ان میں کسی سے بھی نہیں ہوتا۔ علم تفسیر اور علم الاعتبار میں اشتراک صرف ''معانی قرآن'' ہونا

ہے۔علم تفسیر میں معانی قرآن لغتاً ثابت ہوتے ہیں یا استنباطاً و اجتہاداً جبکہ علم الاعتبار میں معانی قران ذوقاً و تشبیھاً بیان ہوتے ہیں، لغتاً یا استنباطاً واجتہاداً ثابت نہیں ہوتے۔

## تفسیر بالرائے اور اعتبار میں فرق:

تفسیر بالرائے مذموم میں

۱۔ غیر مدلول کو آیت کا مدلول ثابت کیا جاتا ہے
۲۔غیر محمول پر محمول کیا جاتا ہے۔
۳۔غیر واقعی معانی سے تفسیر بالجزم کی جاتی ہے۔
۴۔غیر ثابت کو تکلف سے ثابت کیا جاتا ہے۔
۵۔غیر مقصود کو مقصود اور غیر ضروری کو ضروری ثابت کیا جاتا ہے۔
۶۔ ثابت شدہ امر میں غلو کیا جاتا ہے۔
۵۔مسلمہ عقائد یا ضروریات دین کے خلاف قول اختیار کیا جاتا ہے۔
۶۔سیاق وسباق یا نظمِ قرآن سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔
۷۔قواعدِ عربیہ کے خلاف تفسیر کی جاتی ہے۔(۵)

علم الاعتبار ان تمام عیوب سے پاک ہوتا ہے اور اگر علم الاعتبار میں درج بالا نقائص موجود ہوں تو تفسیر بالرائے کے زمرہ میں ہی شمار ہوگا۔

## علم الاعتبار کے جواز کے لیے دلیلِ شرعی:

علماء کرام نے علم الاعتبار کے جواز پر احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ سے متعدد طرق پر استدلال کیا ہے۔ذیل میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

''رہا یہ سوال کہ جس طرح صوفیاء نے علم اعتبار کا استعمال کیا ہے، کیا نصوص میں بھی ایسا استعمال آیا ہے۔تو میں کہتا ہوں کہ بحمد اللہ اس کی نظیر نصوص میں بھی موجود ہے اور یہی بات شاہ ولی اللہؒ نے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"ما منكم من احد الا وقد كتب مقعده من النار و مقعده من الجنة قالوا: يا رسول الله ﷺ افلا نتكل على كتابنا و ندع العمل قال: اعملوا فكل ميسر لما خلق له۔ اما من كان من اهل السعادة فيسر لعمل اهل السعادة واما من كان من اهل الشقاوة فيسر لعمل اهل الشقاوة ثم قرا فاما من اعطىٰ وا تقىٰ و صدق بالحسنىٰ۔"(۶)

''تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جس کا ٹھکانا جہنم یا جنت میں نہ لکھا جا چکا ہو صحابہؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ تو کیا ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ کرلیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔آپ ﷺ نے فرمایا عمل کرو کہ ہر شخص کے لیے ان اعمال کو آسان کردیا جاتا ہے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔جو شخص اہل سعادت میں سے ہوگا اسے اہلِ سعادت کے اعمال (یعنی نیکیوں) کی توفیق ہوگی اور جو بد بخت ہوگا اسے بد بختوں

کے اعمال کی توفیق ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا فامامن اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ وشاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بطور علم التبار کے اس آیت سے حدیث کے مضمون پر استشہاد فرمایا جس سے مقصود تشبیہ دینا ہے اگر کوئی شاہ صاحب کے قول کو نہ مانے تو پھر ان کا ربط بیان کردے جو اس کے لیے ناممکن ہوگا۔'' (۷)

## مجاز اور اعتبار میں فرق:

اصطلاحاً مجاز اس لفظ کا نام ہے جسے معنی غیر موضوع لہ کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔

علامہ بزدویؒ مجاز کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔

"والمجاز اسم لما ارید بہ غیر ما وضع لہ "(۸)

مجاز وہ لفظ ہے جس سے معنی غیر موضوع لہ مراد لیے گئے ہوں۔

ملا جیون نور الانوار میں لکھتے ہیں۔

"ای اسم لکل لفظ ارید بہ غیر ما وضع لہ لاجل مناسبة بین المعنی الموضوع لہ و غیر الموضوع لہ "(۹)

یعنی (مجاز) ہر اس لفظ کا نام ہے جس سے وہ معنی مراد لیے گئے ہوں جن کے لیے اسے نہیں بنایا گیا اور اس کی وجہ معنی موضوع لہ اور غیر موضوع لہ میں مناسبت کا پایا جانا ہے۔

یعنی جب کسی لفظ کو مجازاً استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے جن کے لیے اس لفظ کو بنایا گیا ہوتا ہے بلکہ غیر موضوع لہ معنی مراد ہوتے ہیں اور حقیقی اور مجازی معنوں میں کوئی معنوی یا صوری مشابہت پائی جاتی ہے۔ معنوی مشابہت کو استعارہ اور صوری مشابہت کو مجاز مرسل کہتے ہیں۔ ملا جیون لکھتے ہیں:

والاستعارة فی عرف الاصولیین یرادف المجاز وعند اهل البیان قسم من المجاز ۔فان المجاز عندهم ان کانت فیه علاقة التشبیه یسمی استعارة باقسامها وان کانت فی علاقة غیر التشبیه من علاقات الخمس والعشرین مثل السببیة و المسببیة و الحال و المحل واللازم و الملزوم وغیرها یسمی مجازا مرسلا۔والمصنف رحمه الله عبر عن علاقات المجاز المرسل کلها بقوله :صورة وعن علاقة الاستعارة المسماة بالتشبیه بقوله: معنی

اصولیین کے عرف میں استعارہ اور مجاز مترادف ہیں لیکن اہلِ بلاغت کے نزدیک اگر تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہا جاتا ہے اور اس کی اقسام ہیں اور تشبیہ کا تعلق نہ ہو بلکہ غیر تشبیہ کا تعلق ہو جو کہ پچیس طرح کے ہیں مثلاً سبب کا تعلق، مسبب کا تعلق، حالت کا تعلق، مقام کا تعلق، لازم کا تعلق، ملزوم کا تعلق تو اسے مجاز مرسل کہا جاتا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ (یعنی علامہ نسفی نے) مجاز مرسل کے تمام علاقات کو صوری (اتصال) سے تعبیر کیا ہے اور استعارہ یعنی تشبیہ کے تعلق کو معنوی (اتصال) سے تعبیر کیا ہے۔

ملا جیون نے معنوی اتصال کی مثال بہادر آدمی کو شیر کہنا اور اتصال صوری کی مثال بارش کو ''مطر' کی بجائے

اتصال صوری یعنی اوپر اور بلندی سے برسنے کی وجہ سے ''سماء'' (آسمان) کہنا بیان کی ہے۔(۱۰)

مندرجہ بالا بحث سے درج ذیل نکات ثابت ہوئے۔

۱۔مجاز میں معنی غیر موضوع لہ مراد ہوتے ہیں جو کہ سیاق وسباق اور قرینہ سے معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔حقیقی معنی اور مجازی معنی میں معنوی یا صوری مشابہت پائی جاتی ہے۔

جب کہ

۱۔اعتبار میں نہ ہی معنی غیر موضوع لہ مراد لیے جاتے ہیں اور نہ ہی غیر موضوع لہ معنی مراد لینے کے لیے کوئی قرینہ موجود ہوتا ہے۔

۲۔مجاز میں حقیقی معنی اور معنی غیر موضوع لہ میں معنوی یا صوری مشابہت پائی جاتی ہے۔اعتبار میں معنوی یا صوری مشابہت عرفاً نہیں ہوتی بلکہ ذوقاً اور مآلاً ہوتی ہے

## کنایہ اور اعتبار میں فرق:

کنایہ اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے استعمال میں اس کے معنی موضوع لہ کی بجائے اس کے لازمی معنی مراد ہوتے ہیں لیکن اس کے معنی موضوع لہ متروک نہیں ہوتے۔کنایہ کا استعمال اس لیے کیا جاتا ہے کہ بسا اوقات بات کو صراحتاً کہنا خلافِ مصلحت ہوتا ہے یا خلافِ ادب یا خلافِ فصاحت (۱۱) علامہ قزوینی فرماتے ہیں:

الكناية :لفظ اريد به لازم معناه مع جوازه ارادة معناه حينئذ كقولك (فلان طويل النجاد) اى: طويل القامة و ( فلانة نؤو م الضحىٰ) اى مرفهة مخدومة،غير محتاجة الى السعى بنفسها فى اصلاح المهمات ، وذلك ان وقت الضحى وقت سعى لنساء العرب فى امر المعاش، وكفاية اسبابه،وتحصيل ما يحتاج اليه تهيئة المتناولات،وتدبير اصلاحها، فلا تنام فيه من نسائهم الا من تكون لها خدم ينوبون عنها فى السعى ذلك،ولا يمتنع ان يراد مع ذلك طول النجاد،والنوم فى الضحى، من غير ان تاول(۱۲)

کنایہ وہ لفظ ہے جس سے اس کے لازمی معنی مراد ہوتے ہیں لیکن اس کے لفظی معنی مراد لینا بھی درست ہوتا ہے۔جیسے کہ کہا جائے فلاں طویل النجاد ہے یعنی طویل القامت ہے یا کہا جائے فلاں عورت نؤوم الضحیٰ ہے (چاشت کے وقت تک سونے والی) یعنی مرفع الحال مخدومہ ہے۔اسے اپنے اہم امور سرانجام دینے کے لیے خود مشقت کرنے کی احتیاج نہیں، چاشت کا وقت عرب خواتین کے لیے گھریلو معاملات (نمٹانے)،ضروری اسباب مہیا کرنے اور مسائل کی اصلاح کرنے کا وقت ہوتا تھا، اس لیے اس وقت وہ نہیں سوتیں مگر وہ جن کے خدام ان کی جگہ ان کے امور سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔

یہاں طول النجاد اور نووم الضحیٰ کے لفظی معنی مراد لینا بھی بغیر کسی تاویل کے درست ہے۔

کنایہ سے متعلق مندرجہ بالا تعریف سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ کنایہ میں لفظی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ لازمی معنی مراد ہوتے ہیں۔
۲۔ کنایہ میں لفظی معنی مراد لینا بھی درست ہوتا ہے۔ جبکہ
۱۔ اعتبار میں نہ لازمی معنی مراد لیے جاتے ہیں اور نہ ہی لفظی
۲۔ اعتبار کے تحت بیان کردہ معنی نہ مقصودِ کلام ہوتے ہیں اور نہ مدلول کلام۔

## اشارۃ النص اور اعتبار میں فرق:

علامہ نسفیؒ اشارۃ النص سے استدلال کے بارے میں لکھتے ہیں:
"واما الاستدلال باشارة النص فهو: العمل بما ثبت بنظمه لغة،لكنه غير مقصود ولا سيق له النص وليس بظاهر من كل وجه" (۱۳)

اشارۃ النص سے استدلال یہ ہے کہ کسی (نص کے) لغوی نظم سے کوئی بات ثابت ہو لیکن کلام کو اس مقصد کے لیے لایا نہ گیا ہو اور سیاق وسباق سے بھی اس بات کا تعلق نہ ہو اور نہ ہی وہ بات کلام سے ظاہر اور واضح ہو۔

درج بالا تعریف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اشارۃ النص سے ثابت ہونے والی بات:
۱۔ مقصودِ کلام نہیں ہوتی۔
۲۔ کا کلام کے سیاق وسباق سے تعلق نہیں ہوتا۔
۳۔ ظاہر و واضح نہیں ہوتی۔
۴۔ ازروئے لغت غور وفکر کرنے سے سمجھ میں آتی ہے۔

## علم الاعتبار:

۱۔ سے بات ثابت نہیں ہوتی جبکہ اشارۃ النص سے ثابت بات، ثابت بالنص ہی ہوتی ہے۔
۲۔ علم الاعتبار سے بیان کی جانے والی بات لغت پر غور وفکر سے واضح نہیں ہوتی البتہ خلاف قواعدِ عربیہ نہیں ہوتی۔
۳۔ علم الاعتبار اور اشارۃ النص میں یہ نکات مشترک ہیں کہ ان دونوں سے کے تحت بیان ہونے والی بات مقصودِ کلام نہیں ہوتی، کلام کے سیاق وسباق سے اس کا تعلق نہیں ہوتا، اور ظاہر و واضح نہیں ہوتی۔ ان مشترکات کی وجہ سے علم الاعتبار کو تفسیر اشاری بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تفسیر کا اطلاق حقیقتاً نہیں ہوتا بلکہ عرفاً ہوتا ہے۔

## قیاس اور اعتبار میں فرق:

قیاس کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں:
"والقياس: ان يحكم للشيء على نظيره المشارك له فی علته الموجبة لحكمه" (۱۴)

قیاس یہ ہے کہ کسی چیز پر اس کی نظیر میں موجود اس علت مشترکہ، جو کہ موجبِ حکم ہے، کی بنیاد پر (ویسا ہی) حکم لگایا جائے۔

اس تعریف سے یہ واضح ہے قیاس میں مقیس اور مقیس علیہ میں ایک جیسا حکم لگانے کی وجہ اشتراکِ علت ہے۔ جبکہ اعتبار کی بنیاد اشتراکِ علت نہیں بلکہ مقیس اور مقیس علیہ میں مشابہت و مناسبت ہوتی ہے۔

مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

''پس یہ اعتبار قیاس تصرفی ہے اور مشابہ ہے قیاس فقہی کے۔ مگر یہاں قیاس فقہی نہیں صرف مقیس میں تشابہ ہے اور اس مشابہت کا حکم میں کوئی اثر نہیں بلکہ حکم خود مستقل دلیل سے ثابت ہے'' (۱۵)

## قرآن اور علم الاعتبار کی چار جہتیں:

علم الاعتبار کا قرآن سے چار جہتوں سے تعلق ہوتا ہے۔

۱۔ معانی قرآن المعروف بہ تفسیر اشاری　　۲۔ تعبیر خواب

۳۔ رقیہ و وظائف　　۴۔ تفاؤل

## معانی قرآن المعروف بہ تفسیر اشاری:

صوفیاء کی تفاسیر کے نام سے معروف کتب در حقیقت علم الاعتبار کی کتب ہیں۔ ان پر عرف و عموم کے تحت تفسیر کے لفظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے ورنہ وہ تفاسیر نہیں ہوتیں اور ان میں بیان کردہ معانی قرآن لطائف و اشارات ہوتے ہیں۔ متقدمین و متاخرین صوفیاء نے قرآن سے متعلق اپنے مکاشفات اور وارداتِ قلبیہ بیان کیے ہیں۔ جیسا کہ تفصیلا بیان کیا گیا کہ اگر یہ مکاشفات و واردات قلبیہ بعنوان تفسیر بیان کیے جائیں اور قرآن کے ظاہری معنی و مفہوم کا انکار ہو یا عقائد مسلمہ کے خلاف ہوں تو ان کی حیثیت تفسیر بالرائے مذموم جو تحریف معنوی کے مترادف ہے، کی ہوگی۔ یہ بھی یاد رہے کہ اہلِ حق صوفیاء نے ان اشارات و لطائف کو کبھی تفسیر کا عنوان نہیں دیا۔ صوفیاء میں غالی اور گمراہ طبقے نے ان اشارات و اسرار پر تفسیر کا اطلاق کر کے ٹھوکر کھائی۔ ذیل میں علم الاعتبار باطل اور علم الاعتبار صحیح کی امثلہ پیش کی جاتی ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب بوادر النوادر میں چند اصولی باتیں بیان کرنے کے بعد ان کا رد کیا ہے جنہوں نے مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود مسائل کشفیہ ہیں کسی نص کے مدلول نہیں۔ ایسے مسائل کے لیے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے متصادم نہ ہوں یعنی کوئی نص ان کی نافی نہ ہو۔ باقی اس کی کوشش کرنا کہ نص کو ان کا مثبت بنایا جائے اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر نص اس کی محتمل ہو تو درجہء احتمال تک اس کا رکھنا غلو تو نہیں مگر تکلف ہے اور اس کو درجہء احتمال سے بڑھا دینا غلو ہے۔ اور اگر وہ محتمل بھی نہ ہو تو اس

کا دعویٰ کرنا احتمالاً یا جزءاً صریح تحریف ہے نص کی۔ البتہ اگر وہ دعویٰ بطور تفسیر وتاویل کے نہ ہو محض بطور علم اعتبار کے ہو تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ وہ حکم اگر کسی اور نص سے ثابت ہو تب تو وہ اعتبار داخلِ حدود ہے اور اگر وہ کسی اور نص سے ثابت نہ ہو تو وہ بھی تکلف ہے۔ چونکہ ان مسائل (یعنی وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کے بارے میں) کے متعلق نصوص میں بعض نے تکلف کا ارتکاب کیا اور بعض نے غلو کا اور بعض نے تحریف کا اس لیے نمونہ کے طور پر اس باب میں چند تنبیہات کرتا ہوں۔''

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایک تنبیہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

آیت کل شیء ھالک الا وجھه میں بعض نے کہا کہ ہالک کے معنی معدوم کے ہیں معلوم ہوا کہ سب ممکنات اس وقت بھی معدوم ہیں یہی وحدۃ الوجود ہے۔ اور یہ تکلف یا غلو ہے۔ کیونکہ یہاں ہالک اسم فاعل بمعنی مستقبل ہے یعنی سب معدوم ہو جائیں گے بمعنی حال نہیں کہ اس وقت معدوم ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مسئلہ پر اسی آیت سے بعض کا استدلال تحریف ہے وہ مسئلہ تجدد امثال ہے۔ اس بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ ہر موجود دوسری آن میں معدوم ہوتا رہتا ہے۔ روح المعانی میں اس کو نقل کر کے کہا گیا ہے ولا یخفی بطلانہ''(۱۶)

اب دو مثالیں علم الاعتبار صحیح کی مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب مسائل السلوک من کلام ملک الملوک سے نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ مولانا تھانوی نے آیت ﴿فینسخ الله ما یلقی الشیطان ثم یحکم الله آیاته﴾ (۱۷) کے تحت عنوان باندھا ہے ''وساوس شیطانیہ خود بخود مضمحل ہو جاتے ہیں'' اس کے بعد اعتباراً تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ وساوس شیطانی خود بخود مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اس کے لیے مستقل تدبیر کی ضرورت نہیں اور یہی بعینہ قول ہے محققین اہل تربیت کا۔(۱۸)

۲۔ ﴿ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن﴾ (اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں کے سامنے) (۱۹) کے تحت ''اسرار نااہل کے سامنے پیش نہ کیے جائیں'' کا عنوان باندھ کر لکھتے ہیں اس کی نظیر ہے کہ زینتِ اسرار کو اس کے نامحرم یعنی نااہل سے پوشیدہ رکھنا چاہیے۔(۲۰)

حضرت تھانویؒ نے مماثلت و مشابہت کے باعث جو مسائل ان آیات کے تحت بیان کیے ہیں وہ دیگر دلائل شرعیہ سے ثابت ہیں۔ لہٰذا ان آیات کا مدلول نہ قرار دیتے ہوئے ان نکات کا بیان تصریفِ معانی کی ایک حسین صورت ہے۔

## تعبیر خواب:

خواب انسانی زندگی کا لازمہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے خوابوں کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دے کر ان کی اہمیت کو واضح فرمایا(۲۱) خواب کی تعبیر بتانا ایک فن ہے جس کا دارومدار علم الاعتبار پر ہی ہے۔ لغوی طور پر بھی لفظ تعبیر

اور اعتبار کا اشتقاق ایک ہی مادہ سے ہے۔ ذیل میں ہم امام ابن سیرین کی کتاب تعبیر الرویا سے دو مثالیں پیش کرتے ہیں جس سے واضح ہو گا کہ خوابوں کی تعبیر کے سلسلے میں میں قرآن حکیم سے علم الاعتبار سے کس طرح کام لیا جاتا ہے۔

ا۔ ایک شخص حضرت ابن سیرینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں نماز کے لیے اذان کہتا ہوں آپ نے جواب دیا کہ تم حج کرو گے۔ پھر اسی وقت ایک دوسرا شخص آیا اس نے سوال کیا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو نماز کے لیے اذان کہتے دیکھا ہے۔ آپ نے تعبیر دی کہ تم پر چوری کی تہمت لگائی جائے گی۔

شاگردوں نے حضرت ابنِ سیرینؒ سے دریافت کیا کہ دونوں کے خواب کی ایک ہی صورت ہے کہ دونوں شخص خواب میں اذان نماز دیتے ہیں دونوں کی تعبیر میں اختلاف کیوں ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ پہلے شخص کے چہرے سے نیک بختی کے نشان ظاہر ہوتے ہیں میں نے کہا تم حج کرو گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا (لوگوں میں حج کا اعلان کرو، تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے) اور دوسرے شخص میں میں نے فساد اور مخالفت کے نشانات دیکھے تو میں نے تعبیر بیان کی تم کو چوری میں پکڑیں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فاذن موذن ایتها العیرانکم لسارقون﴾

(منادی نے پکارا قافلے والو تم ضرور چور ہو) (۲۲)

اس واقعہ میں اذان کی مناسبت لفظی کی بنیاد پر خوابوں کی تعبیر کی گئی اور یہی علم الاعتبار ہے۔

۲۔ امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کرمانی نے فرمایا اگر کوئی خواب دیکھے کہ اندھیرے میں تھا اور روشنی میں آ گیا اور پھر اندھیرے میں آیا دلیل ہے کہ منافق ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿واذا اظلم علیهم قاموا ولو شاء الله لذهب بسمعهم و ابصارهم﴾ (۲۳)

اس میں آیت اور خواب کی معنوی مشابہت کی بنیاد پر صاحبِ خواب پر نفاق کا حکم لگایا گیا۔

## رُقیہ و وظائف:

رقیہ کے معنی میں دم کرنا اور جھاڑ پھونک وغیرہ شامل ہیں۔ قرآنی آیات و الفاظ جن کے ذریعے دم کیا جاتا ہے یا بطور ورد وظیفہ بتائے جاتے ہیں، کا دارومدار بھی علم الاعتبار پر ہے۔ ذیل میں دو امثلہ مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ''اعمالِ قرآنی'' سے پیش کی جاتی ہیں۔

ا۔ برائے شیرینی پھل: ﴿فذبحوها وما کادوا یفعلون﴾ (پس انہوں نے اس کو ذبح کر دیا اگرچہ وہ ایسا کرنے والے نہ تھے) یہ آیت پڑھ کر خربوزہ یا کوئی چیز تراشے تو انشاء اللہ لذیذ و شیریں معلوم ہو گی۔ (۲۴)

ذبح اور کاٹنے کی مناسبت سے یہ آیت بطور وظیفہ / دم بتائی گئی۔

۲۔ تسخیرِ سواری: ﴿ افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السماوات والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون﴾ ''اگر سواری کا جانور گھوڑا، اونٹ سواری کے وقت شوخی وشرارت کرے اور چڑھنے نہ دے تو اس آیت کو تین مرتبہ پڑھ کر اس نے کان میں پھونک دے ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' (۲۵) سواری کا قابو میں نہ آنا اور یبغون میں مناسبت ہے اور سواری کا قابو میں آجانا اور اسلم میں مناسبت ہے۔

## تفاؤل:

تفاؤل کا مطلب فال لینا ہے۔ قرآن حکیم سے فال لینے کے دو درجے ہیں۔ ایسا تفاؤل جس کی حقیقت صرف اتنی ہو کہ اس سے امید کو تقویت ملے لیکن اعتقاد اور توکل علی اللہ میں فساد نہ ہو تو جائز ہے۔ اسے نیگ شگون لینا بھی کہا جا سکتا ہے۔ اگر اعتقاد کا فساد ہو اور تفاول کی بنیاد پر نحس اور سعد کا تعین ہو اور اور زندگی کے معاملات کو فال کے ذریعے چلایا جائے تو یہ ناجائز ہے۔ مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

''اسی طرح اہلِ فال کبھی قرآن سے اپنے خاص احکام خبریہ یا انشائیہ پر استدلال کرتے ہیں تو کیا وہ علومِ قرآن میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر مسمیٰ زید کا اپنی بی بی سے کچھ جھگڑا ہوا اور اس کو یا تو تردد ہو کہ اس معاملہ کا انجام کیا ہوگا یا یہ تردد ہو کہ مجھ کو اس میں کیا کرنا چاہیے۔ اور وہ قرآن سے تفاؤل کرے اور اتفاق سے اس میں سورہ احزاب کی آیات جو زید بن حارثہ کے باب میں نازل ہوئیں ہیں نکل آئیں اور اس سے اپنے انجام پر استدلال کرے کہ مفارقت ہوگی یا اس مشورہ پر استدلال کرے کہ اس سے مفارقت کر لینا مناسب ہے اور واقع میں بھی ایسا ہی ہو تو کیا یہ استدلال صحیح ہے؟ اور کیا قرآن سے اس خبر یا انشاء کی صحت کا اعتقاد جائز ہوگا؟ اسی واسطے محققین علماء نے ایسے تفاؤل حرام کہا ہے''

علم الاعتبار ایک اہم علم ہے جس کے ذریعے قرآن کے نظائر کو دوسرے نظائر کے ساتھ مشابہت کی بنا پر واضح کیا جاتا ہے۔ اسی کے ذریعے قرآن کی آیات میں نظمِ معنوی کی ایک شکل سامنے آتی ہے اور تصریفِ آیات کی معنوی صورت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت تفسیر کی نہیں ہوتی بلکہ نکات و لطائف کی ہوتی ہے۔ (۲۶)

# حواشی وحوالہ جات


۱- اصفہانی، امام راغب، مفردات القرآن، ترجمہ و حواشی مولانا محمد عبدہ فیروز پوری، ج۔۲، شیخ شمس الحق، ۲۳۸۔ کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور، س ن، ص ۶۶۴ ۔ ۶۶۵۔

۲- ابنِ منظور، الافریقی، لسان العرب، تحقیق وتعلیق علی شیری، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ج۔۹، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ص ۱۸۔

۳- تھانوی، مولانا اشرف علی، التقصیر فی التفسیر، مطبع قاسمی دیوبند، انڈیا س۔ن، ص ۴۔۵۔

۴- زرقانی، محمد عبدالعظیم، مناهل العرفان فی علوم القرآن، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۸ء، ص ۲۔۳۔

۵- التقصیر فی التفسیر۔ ص ۲۔

کاندھلوی، محمد مالک، التحریر فی اصول التفسیر، قرآن محل ، بالمقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی ، ۱۳۸۲ھ، ص ۱۱۳ تا ۱۲۰۔

۶- بخاری، محمد بن اسماعیل ، جامع صحیح ، دار ابن کثیر الیمامہ، بیروت، لبنان، کتاب التفسیر، رقم الحدیث ۴۹۴۹، ۱۳۷۹ھ۔

۷- تھانوی، مولانا اشرف علی، خطبات حکیم الامت، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ج ۲۰ ۱۴۲۴ھ، ص ۴۲۴۔

......شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، قرآن محل تاجران کتب ، بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی، ۱۳۸۳ھ، ص: ۱۵۹۔

۸- بزدوی، علی بن محمد، کنزالوصول الی معرفۃ الاصول، میر محمد کتب خانہ، کراچی، س ن، ص۔۱۰۔

۹- ملاجیون، شیخ احمد، شرح نورالانوار علی المنار مع کشف الاسرار، دارالکتب العلمیہ بیروت، ج۔۱، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ص ۲۲۶۔ ۲۲۷۔

۱۰- ایضا، ج۔۱، ص ۲۲۶۔ ۲۲۷۔

۱۱- سیوطی، عبدالرحمان ،جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن۔ دارالکتاب العربی، بیروت، ج ۲، طبع اول، ۱۹۹۹ء، ص ۵۹۔ ۶۰۔

۱۲- قزوینی، محمد بن سعد الدین الخطیب ،الایضاح فی علوم البلاغۃ ،، دارالکتب العلمیۃ ، بیروت ،س۔ن، ص۔ ۳۳۰۔

۱۳- نسفی ، عبداللہ بن احمد، کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار ،دارالکتب العلمیہ ، بیروت ، ج۔۱، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ص ۳۷۵۔

۱۴- جصاص، ابوبکر احمد بن علی، الفصول فی الاصول، دراسۃ وتحقیق ڈاکٹر عجیل جاسم النشمی ، وزارہ الاوقاف والشئون

الاسلامیۃ، ج۔۴، طبع اول، ۱۹۸۵ء، ص۹۔
۱۵- خطبات حکیم الامت، ج ۲۰، ص ۴۲۴۔
۱۶- تھانوی، مولانا اشرف علی، بوادر النوادر، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور، طبع اول، ۱۹۸۵ء، ص ۶۶۳۔۶۶۴۔
۱۷- الحج۔۵۲۔
۱۸- تھانوی، مولانا اشرف علی، مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، دارہ اسلامیات، انارکلی لاہور، ۱۴۱۱ھ، ص۔۳۶۲۔
۱۹- النور۔۳۱۔
۲۰- مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص ۳۷۵۔
۲۱- البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر و التوزیع، الریاض، حدیث نمبر ۶۹۸۷، ۱۴۲۹ھ، ص ۵۸۳۔
۲۲- ابن سیرین، محمد، تعبیر الرؤیا، مترجم مولانا ابوالقاسم دلاوریؒ، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور، ۱۴۰۴ھ، ص۔۴۲۔
۲۳- ایضاً۔ص ۴۱۱۔۴۱۲۔
۲۴- تھانوی، مولانا اشرف علی، اعمالِ قرآنی، حمید بک ڈپو، ۱۸۔قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، س ن، ص۲۔
۲۵- ایضاً، ص۴۔
۲۶- اس مضمون کے اصول تفسیر کے مباحث کے لیے شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب میں پی ایچ ڈی کے مقالہ بعنوان ''اصول تفسیر اور فقہائے اصولیین کی خدمات (دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری)'' سے معاونت لی گئی۔ مقالہ نگار جناب حافظ عبداللہ۔ شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب لاہور ہیں۔